# توحیدِ وجودی

اختر ایم۔اے

توحیدِ وجودی کا مطلب یہ ہے کہ ازل میں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی شے موجود نہ تھی۔ خدائے لم یزل اپنی صفت تفردِ ذاتی سے ازل سے موصوف تھا اور ابد میں بھی موصوف ہوگا۔ کیونکہ اس کی ذات میں تغیّر و تبدل محال ہے۔

فھوالاٰن کما کان وکما کان الاٰن

لہذا کوئی شے ماسوی اللہ موجود بوجودِ حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا موجود ہونا بہ وجودِ اعتباری ہے۔ مرتبۂ صفات میں یہ ذات واجب الوجود کی تجلیات مختلفہ کے مظاہر ہیں۔ جیساکہ عارف جامیؒ فرماتے ہیں ؎

نورلیت محض کردہ باوصاف خود ظہور
نام تنوعات ظہورش بود جہاں
ہرچند درنہاں وعیاں نیست غیر اُو
نے حد ذاتہ نہ نہاں است ونے عیاں

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت کا مزاج ہی ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ سے

مائل بہ ظہور ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ حقائق معطل کہلانے لگیں۔ اور تعطیل کسی حقیقت کی صفت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مسلمہ طور پر حقائق کبھی معطل نہیں رہ سکتے بلکہ ہمیشہ بروئے کار آتے رہتے ہیں۔ موجودات میں باہمی غیریت حکمی اور اعتباری ہے، حقیقی نہیں۔ اس لئے موجودات وجودِ حقیقی کے مختلف اعتبارات اور تعینات ہیں۔ ان تعینات کے باہمی اختلاف اور تضاد کو جو کائنات میں جاری و ساری ہے، جنگ و پیکار کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سحابی فرماتے ہیں ؎

عالم بخروشش لا الٰہ الا ہو است
غافل بگماں کہ دشمن است این یا دوست
دریا بہ وجودِ خویش موجے دارد
خس پندارد کہ این کشاکش با اوست

غرض تعینات کا باہم مختلف و متضاد ہونا صفاتِ وجود کی گوناگونی پر دلالت کرتا ہے اور صفات کی گوناگونی سے وجود کی جامعیت، کلیت اور کاملیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے موجوداتِ عالم موجودِ حقیقی کی صفات کمال کے مظاہر ہیں۔ چونکہ وہ صفات لامتناہی ہیں اور کوئی حقیقت معطل نہیں۔ یعنی ہر صفت عالم خلق میں بروئے کار ہے اس لئے کائنات میں ذات کے چہرے پر لامتناہی صفات کے نقاب عارض ہیں۔ تاہم تجلیات کا ظہور جیسا کہ سحابی فرماتے ہیں، ذاتِ واجب الوجود کے تفرّد ذاتی کے منافی نہیں ہے۔

مولٰنا جامیؒ بھی اسی نکتہ کی صراحت ذیل کی رباعی میں فرماتے ہیں ؎

مجموعہ کون را بقانون سبق | کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ نہ دیدیم و نخواندیم درو | جز ذاتِ حق و شئون ذاتِ مطلق

کثرت کی حقیقت حقیقۃً وہی وحدت ہے۔ اور تمام افرادِ کائنات تجلیاتِ حق ہیں۔ صوفیہ فرماتے ہیں : سُبحَانَ الَّذِی خَلَقَ الاَشیَاءَ وَھُوَ عَینُھَا اس طرح حیات و کائنات کی کثرت مجازی اور اعتباری ہے۔ اس کے برعکس وحدتِ مطلق ہی حقیقت ہے۔ کثرت حقیقت نہیں ورنہ ثنویت لازم آئے گی جو محال ہے۔

اور یوں تو کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ترجمہ یہ ہے کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ تبارک

وتعالیٰ کی ذات پاک۔ لیکن صوفیائے کرام اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ نہیں کوئی موجود یا مقصود اور باقی رہنے والی ذات مگر اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اور اس نفی اثبات کا ذکر صوفیہ کے ہاں ہر طالب اور مبتدی کو کرایا جاتا ہے۔

غرض صوفیہ کے نزدیک بجز اللہ کے نہ کوئی معبود ہے نہ مقصود اور نہ موجود۔

(ان لا الٰہ) ای لا معبود اولا مقصود اولا موجود فی نظر ارباب الشہود الا اللہ (مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری)

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ سب سے سچی بات عرب شاعر 'لبید' کی یہ بات ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے:

'لبید' کا شعر ملاحظہ ہو ؎

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطلٗ
وکل نعیم لا محالۃ زائلٗ

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری رح نے حضرت شبلی رح کا یہ قول نقل کرکے اس عقیدہ کی مزید توثیق فرمائی ہے۔

التصوف شرکٌ لانہ صیانۃ القلب عن رویۃ الغیر ولا غیر۔

یعنی تصوف شرک ہے کیونکہ تصوف نام ہے دل کو مشاہدۂ غیر سے محفوظ رکھنے کا، حالانکہ غیر حق موجود ہی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں آیۂ شریفہ الا انہٗ بکل شیءٍ محیطٗ مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات میں دلیل روشن ہے۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب الوجود اپنے ماسوا کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کہنے میں تو محیط اور محاط دو چیزیں ہیں لیکن فی الواقع محیط ہی بوجود حقیقی موجود ہے۔ اور محاط یعنی ماسوی اللہ وجود حقیقی سے محروم ہے۔ ہاں موجود بوجود اعتباری ہے۔ اس موقعہ پر یہ صراحت بے موقع نہ ہوگی کہ واجب وہ ذات ہے جو اپنی ذات سے قدیم اور ازلی ہو۔ اور اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو اور کسی طرح معدوم نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس ممکن وہ ہے جو اپنی ذات سے حادث ہو۔ یعنی قدیم اور ازلی نہ ہو۔ اور اس کا وجود

غیر کا محتاج ہو۔

دوسری آیۂ کریمہ میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ کل شیء ھالک الا وجہہ یعنی اللہ پاک کی ذات کے سوا ہر شے فی حد ذاتہٖ معدوم ہے اور جو شے موجود نظر آتی ہے یہ موجود حقیقی نہیں ہے بلکہ اس کا وجود وہمی اور اعتباری ہے۔ اور اس محیط یعنی موجود بوجود حقیقی کا عکس اور مظہر ہے ؎

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیدا است — آں صورت آں کس ست کاں نقش نماست
دریائے کہن چو بر زند موجے چند — موجش خوانند در حقیقت دریاست

یہاں معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اس احاطہ سے جو آیۂ شریفہ الا انہ بکل شیء محیط میں مذکور ہے، احاطۂ علمی اور احاطۂ قدرت مراد ہے نہ کہ احاطۂ ذاتی ؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علم اور قدرت ذاتِ حق کی صفاتِ حقیقیہ سے ہیں۔ یہ صفاتِ حقیقیہ اگر عینِ ذات نہیں تو غیرِ ذات بھی نہیں ہیں۔ صفات کو ذات سے مغایرت ہے۔ تو باعتبارِ مفہوم ہے اور باعتبار وقوع اور مصداق کے وہ عین ذات ہیں۔ اسی طرح علم اور قدرت کے احاطہ کرنے سے ذات کا احاطہ کرنا لازم آتا ہے۔ پس ماسوی اللہ اس ذات مستجمع الصفات کا مظہر ہے اور اس کا وجود اعتباری حیثیت رکھتا ہے گویا یہ مظاہر شیشے ہیں جن میں وجود حقیقی کا جلوہ نظر آرہا ہے یا عکوس ہیں جن میں آفتاب وحدت چمک رہا ہے ؎

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ — پس برنگ ہر یکے تاب عیاں انداختہ
اختلافے نیست ہرگز لیکن رنگہائے مختلف — اختلافے درمیانِ ایں و آں انداختہ

صوفیائے کرام کے نزدیک عالم محسوس اور موجود ہے لیکن اس کا وجود اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ ان میں اور سوفسطائیہ کے مذہب میں یہ فرق ہے کہ سوفسطائیہ مذہب میں عالم محسوس فی الواقع کچھ نہیں۔ اس کے برعکس حضراتِ صوفیائے کرام یہ کہتے ہیں کہ تمام عالم وجودِ حقیقی کے عکوس اور مظاہر ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ انسان کسی رنگین شیش محل میں ہو جہاں دھوپ پڑ رہی ہو دھوپ کہ خود بے رنگ ہے، رنگین شیشوں میں سے متعدد رنگوں میں دکھائی دے گی حالانکہ

وہ دھوپ اپنی صرافتِ ذاتی پر قائم ہے ۔ یہ نمائش متعدد رنگوں کے انصباغ اور تلبس سے ہے ۔ اور متعدد رنگ دھوپ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہیں کہ اتحاد پیدا ہو۔ ایسا ہی خورشید وجودِ حقیقی اعیانِ ثابتِ عالم کے شیئون میں ان کے احکام اور آثار سے مصبغ اور متلبس ہونے سے رنگ برنگ معلوم ہوتا ہے اور باوجود اس کے پھر صرافتِ ذاتی پر قائم ہے جیسا کہ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

اعیانِ ہمہ شیشہائے گونا گوں بُود کافتاد دراں پر تو خورشیدِ وجود

ہر شیشہ کہ بود سُرخ یا زرد و کبود خورشید دراں ہم بہماں رنگ نمود

سطورِ بالا سے یہ واضح ہو چکا کہ ماسوی اللہ پر عدم محض کا اطلاق بمقابلہ وجود حقیقی ہے نفس الامر میں جملہ اشیاء ماسوی اللہ وجودِ حقیقی سے محروم ہیں اور موجود بہ وجودِ حقیقی واجب الوجود ہی ہے ۔ مگر ماسوی اللہ کو ذاتِ واجب الوجود کے عکوس وظلال ہونے کی وجہ سے اعتباری وجود حاصل ہو گیا ہے ۔ اس طرح تمام عالم فی ذاتہٖ نفس الامر میں تو معدوم ہے مگر باعتبار وجودِ حقیقی کے عکس اور ظل ہونے کے وجود اعتباری سے موصوف ہو گیا ہے ، یہ تناقض نہیں ۔ کیونکہ معدوم ہونے اور موجود ہونے میں بہت فرق ہے ۔ مثلاً دریا میں موج وحباب کا وجود یہ وجود حسّی ہے جن کے نام و آثار مختلف ہیں مگر فی الواقع اعدام ہیں اور موجود صرف دریا ہے ۔ یہ سب اس کے مظاہر ہیں لیکن مظاہر کا اختلاف وتضاد یعنی خیر و شر ، نیک و بد ، نور وظلمت اور عدل وظلم وغیرہ واجب الوجود کے خیر محض ہونے سے متصادم نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تضاد اور تخالف اشیاء (یا مظاہر) واجب الوجود کے خیر محض ہونے سے متصادم نہیں ہے ۔ کیونکہ مظاہر کی دو حیثیتیں ہیں ۔ ایک حیثیت سے تو یہ مظاہر عکسِ واجب الوجود ہیں ۔ اور آفتاب وجود حقیقی کے پر تو پڑنے سے موجود کہلانے لگے ہیں ۔ اس دوسری حیثیت سے ان کو عدم محض سے بھی تعلق ہے ۔ یعنی وہ پہلے بھی معدوم تھے اور آئندہ بھی معدوم ہی ہو جائیں گے ۔ پہلی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو یہ مظاہر اوصاف ذمیمہ ناپاکی شر اور ظلمت وغیرہ سے موصوف نہیں ہو سکتے ۔ البتہ دوسری حیثیت سے چونکہ ان کا تعلق عدم سے ہے ، وہ اوصاف ذمیمہ سے متصف ہو سکتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

وجود خیر محض اور عدم شر محض ہے۔ مولینا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر نعمت کہ از قبیل خیر است و کمال باشد ز لغوت ذات پاک متعال
ہر وصف کہ در حساب شر است و وبال دارد بقصور قابلیات مآل
ہر جا کہ وجود سیر کردہ است اے دل میداں بیقیں کہ محض خیر است اے دل
ہر شر ز عدم بود مسلم غیر وجود پس شر مقتضاء غیر است اے دل

آیۂ کریمہ هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم بھی وحدت الوجود کی مثبت ہے۔ یعنی وہی ذات اللہ جل شانہ اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔ ہاں مظاہر اس کے متعدد اور مختلف ہیں۔ اس کی ذات کی وحدت میں کثرتِ ظہور سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ دریا کا بہتا ہوا پانی بے رنگ ہے جم جانے پر یہ برف کہلائے گا۔ لیکن یہ اختلاف اعتباری ہے ورنہ فی الواقع وہی دریا کا بے رنگ پانی مختلف مظاہر میں نظر آرہا ہے ؎

دریاست وجود صرف ذات وہاب ارواح ونفوس ہمچو نقش اندر آب
بحریست کہ موج مے زند اندر خود گہہ قطرہ گہست موج گاہست حباب

دلائل مرقومہ و نصوص محکمہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ماسوی اللہ کا وجود اعتباری وانتزاعی ہے۔ وحدت الوجود کا مطلب یہ ہے کہ وجود سب میں مشترک ہے۔ عارف کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیر و شر کے پیچھے وجود کی ایک بڑی طاقت کار فرما ہے۔ ظالم جو اللہ کا مظہر غضب ہے اور عابد جو اللہ کا مظہر رضا ہے، اللہ کے وصف جمالی اور وصفِ قہری سے آراستہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی وجود اللہ کا ہے ماسوی اللہ کا وجود کالعدم ہے۔ ہر انسانی وجود خدا نہیں ہو سکتا۔ ایسا تصور کرنا شرک ہے۔

بقول مولینا روم رح ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردہ
زندہ معشوق است و عاشق مردہ

ن وہ عاشق جس نے حجاب تن دور کر لیا ہو وہ کبھی مر نہیں سکتا بلکہ وہ زندہ جاوید ہے
عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز
حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنم
خوشا دلے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے شعر ذیل میں تمام مضمون ہی حل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گفت بیزارم ز غیر ذات تو
غیر او نبود آنکہ او شد ذات تو

فرمایا۔ بیزار ہوں میں تیری ذات کے بغیر سب سے۔ لیکن جو فنا فی اللہ اور بااللہ کا مرتبہ حاصل کر چکے ہیں وہ غیر ذات نہیں بلکہ عین ذات ہیں۔

---


# (عربی) کی لمحات

شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ تصوف کی یہ بنیادی کتاب عرصے سے نایاب تھی مولانا غلام مصطفیٰ اسمی کو اس کا ایک پرانا قلمی نسخہ ملا۔ موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی اور شاہ صاحب کی دوسری کتابوں کی عبارات سے اس کا مقابلہ کیا اور وضاحت طلب امور پر تشریحی حاشی لکھے۔ کتاب کے شروع میں مولانا کا ایک مبسوط مقدمہ ہے۔

قیمت ۰۰-/۲ روپے